مکرم محمود احمد انیس صاحب

چند دلچسپ اور سبق آموز واقعات

جب اللہ تعالیٰ کی نصرت سے گمشدہ اشیاء واپس مل گئیں

بشری کمزوریاں انسانی فطرت میں داخل ہیں۔ لیکن نیت نیک ہوتو کوشش اور دعا سے اللہ تعالیٰ نقصانوں سے بچالیتا ہے اور اپنی خاص تائید اور نصرت ظاہر فرماتا ہے۔

مندرجہ ذیل واقعہ پاکستان ہجرت کے وقت حضرت مصلح موعود کے تفسیری نوٹس کی لاہور منتقلی کا ہے۔جن کو خدا تعالیٰ نے گم ہونے سے بچالیا۔اس واقعہ سے پہلے کچھ پس منظر بیان کرنا بھی معلومات میں اضافے کا باعث معلوم ہوتا ہے۔

تقسیم پاک و ہند سے پہلے جماعت نے حضرت مصلح موعود کی ہدایت پر ایک احمدی محترم ڈپٹی محمد لطیف صاحب کے ذریعہ ایک چھوٹا سا دوسیٹر (Two seater) جہاز از قسم L-5 خریدا جو بمبئی کی ایک کمپنی میں بطور پائلٹ متعین تھے۔اس قسم کے جہاز امریکن افواج جنگ عظیم دوم کے آخری چند سالوں میں برائے فضائی سروے اور جنگی فرنٹ پر سے زخمی فوجیوں کو فوری طور پر پچھلے فیلڈ میڈیکل سنٹرز میں پہنچانے کے لئے استعمال کرتی تھی۔

اس کمپنی نے جنگ عظیم کے اختتام پر امریکی فالتو جنگی سامان کے ڈپوز میں سے چند L-5 قسم کے ہوائی جہاز خریدے تھے اور پانچ ہزار روپے فی جہاز کے حساب سے ضرورت مند پارٹیوں کو فروخت کئے تھے۔چنانچہ جماعت نے بھی پہلا L-5 جہاز خریدا جو پارٹیشن کے وقت جماعت کے کام آیا۔ (الفضل 27/اگست 2010ء)

محترم سید محمد احمد صاحب بھی پائلٹ تھے۔ آپ ''پارٹیشن کے زمانے کی چند یادداشتیں'' کے عنوان سے اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

جولائی کے آخری ہفتہ یا اگست 1947ء کے شروع کی بات ہے رات کے وقت ایک صاحب قادیان سے دہلی تشریف لائے اور انہوں نے رات کو مجھے جگایا میں ان دنوں صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کے بالی گنج دہلی والے گھر میں رہتا تھا اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا ایک ضروری خط مجھے دیا جس میں لکھا تھا کہ آپ فوراً لاہور جائیں اور جماعت کا L-5 ہوائی جہاز جو سول ایوی ایشن انتظامیہ والٹن ایئرپورٹ کی تحویل میں رکھا ہوا ہے اسے لے کر فوراً قادیان پہنچیں۔اس خط کے ساتھ منسلک ایک اتھارٹی لیٹر بھی والٹن ایئرپورٹ کے مینیجر کے نام تھا کہ وہ جماعت کا رکھا ہوا ہوائی جہاز مجھے Deliver کردیں۔

قادیان پہنچ کر یہ طے پایا کہ جہاز کے انچارج صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ہوں گے جو اس وقت صدر مجلس خدام الاحمدیہ تھے اور ساتھ ساتھ حفاظت مرکز کے بھی انچارج تھے۔ان کی اجازت سے پہلے چند دن تو قادیان کے گردونواح کے فضائی سروے کے مشن سرانجام دیئے۔خدام الاحمدیہ کی ایک سروے ٹیم بھی زمینی راستوں سے اپنی جیپ نما گاڑی میں قادیان کے اردگرد اس قسم کے سروے کرتی رہتی تھی تو میں اس گاڑی کو اپنی سروے کے دوران آسانی سے ڈھونڈ لیتا تھا اور اگر انہیں میری ضرورت پڑتی تو میں قریبی کھیت میں لینڈ کر جاتا تھا۔ان سے رابطہ کرتا اور ان کی زبانی رپورٹ کو فوری طور پر قادیان پہنچادیتا تھا۔

17/اگست کے بعد ہمیں فضائی سروے کی پروازیں بند کرنی پڑیں۔ کیونکہ قادیان اب انڈیا میں جاچکا تھا۔ اب زیادہ پروازیں قادیان سے لاہور اور واپس قادیان تک کی رہ گئیں۔ روزانہ ہوائی جہاز میں ایک جماعتی کارکن ساتھ لے کر قادیان سے والٹن ایئرپورٹ لاہور جاتے۔ ساتھ جماعت کے ضروری کاغذات ،ریکارڈ ، دستاویز، صدرانجمن اور تحریک جدید کے امانت فنڈز اور ان کے تفصیلی حسابات کے رجسٹر وغیرہ وغیرہ۔ جماعتی کارکن لاہور میں سارادن جماعت کے ضروری کام سرانجام دیتا اور اس کی ایئرپورٹ پر واپسی کے بعد شام کو کافی لیٹ چل کر مغرب کے وقت تک واپس قادیان آجاتے تھے۔ واپسی پر جماعتی کارکن کے ساتھ وہ ضروری سامان بھی ہوتا تھا جو اس نے لاہور سے خریدا ہوتا تھا۔

ان دنوں کا ایک خاص دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ ایک صبح قادیان سے لاہور جانے کے ٹائم سے کچھ پہلے حضور نے مجھے قصر خلافت کے دفتر میں بلوایا اور فرمایا کہ آج تم نے میری زندگی کی سب سے قیمتی چیز لاہور لے کر جانی ہے اور اس چیز کی راستے میں پوری حفاظت کرنی ہے اور اس چیز کو تم نے شیخ بشیر احمد صاحب (جو اس وقت امیر جماعت لاہور تھے) کو ان کے گھر سے والٹن ایئرپورٹ پر بلوا کر ان کے سپرد کرنی ہے اور انہیں اس چیز کی خاص حفاظت اور احتیاط کے بارے میں تم نے شیخ صاحب کو انہی الفاظ میں بیان کرنا ہے جیسے میں تمہیں بتارہا ہوں۔ پھر تم نے ان سے اس کی وصولی کی رسید لینی ہے جو واپس تم نے مجھے دینی ہے۔ میرے ناپختہ ذہن میں اس وقت یہ احمقانہ خیال آیا کہ شاید حضور مجھے کوئی ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا بکس دیں گے۔ یہ کہہ کر حضور اٹھے اور ساتھ والے کمرے میں سے ایک میلا سا چھوٹا سا ٹریول بیگ (Travel Bag) لائے۔ یہ بیگ کینوس کا تھا اور اس کا اوپر کا زپ بھی ٹوٹا ہوا تھا۔ بیگ کاغذات سے بھرا ہوا تھا۔آپ نے وہ بیگ میرے سامنے رکھا اور فرمایا میری قرآن شریف کی لکھی ہوئی تفسیر کا کچھ حصہ تو چھپ چکا ہے۔ کچھ لکھا جاچکا ہے مگر ابھی چھپا نہیں۔مگر ابھی بہت سے حصے کی تفسیر لکھنے کا کام باقی ہے۔ چونکہ میری زندگی کا بڑا مشن اس تفسیر کو مکمل کرنے کا ہے۔ اس لئے میری عادت ہے کہ دن ہو یا رات چلتا پھرتا ہوں یا کوئی اور کام کر رہا ہوں۔ مگر جو بھی کر رہا ہوں اگر قرآن شریف کی کسی آیت کے بارے میں میرے ذہن میں کوئی نیا مطلب آئے تو میں فوراً اس پوائنٹ کو ایک سادہ کاغذ پر لکھ کر اس بیگ میں ڈال کر محفوظ کر لیتا ہوں تاکہ بوقت ضرورت کام آسکے ۔ضروری نہیں کہ ان کاغذات پر لکھے ہوئے نوٹس میں کوئی ترتیب ہو مگر میرے لئے یہ بہت بڑا سرمایہ ہے۔ میں نے حضور سے بیگ لیا۔اسے سنبھالا اور اسے ہوائی جہاز میں رکھ کر لاہور لے گیا۔ساتھ جانے والے جماعتی کارکن کو والٹن ایئرپورٹ پر اتارا کہ وہ جماعت کے کاموں کے لئے شہر چلا جائے۔ پھر میں نے ایئرپورٹ کے کنٹرول ٹاور جاکر شیخ بشیر احمد صاحب کو فون کیا اور انہیں فوری طور پر والٹن ایئرپورٹ پہنچنے کے لئے کہا۔ یہ بھی بتایا کہ میں نے حضور کی طرف سے بھیجی ہوئی ایک بے حد ضروری چیز آپ کے سپرد کرنی ہے اور یہ چیز میں کسی اور کے سپرد نہیں کرسکتا۔ قسمت اچھی تھی کہ اس وقت کرفیو نہیں تھا۔ اس لئے شیخ صاحب پونے گھنٹے میں ایئرپورٹ پہنچ گئے۔ (یادرہے کہ اس زمانے میں لاہور کی پل سے آگے فیروز پور روڈ پر والٹن ایئرپورٹ کے گیٹ تک خاص آبادی نہیں تھی ۔اس لئے والٹن ایئرپورٹ کے ہوائی جہازوں کے کھڑے ہونے والے حصے سے فیروز پور روڈ اور اس پر چلتا ہوا ٹریفک صاف نظر آتا تھا) میں نے اپنے ہوائی جہاز کے قریب سے ہی جب شیخ صاحب کی کار نے فیروز پور روڈ سے ٹرن لیا دیکھ لیا۔ جب وہ ہوائی جہاز کے قریب پہنچے تو میں نے حضور والا بیگ ہوائی جہاز میں سے سے اتارا اور اسے ہوائی جہاز کے پیچھے کی جانب ٹارمیک (Tarmac) پر رکھ دیا۔ علیک سلیک کے بعد میں نے بیگ کی طرف اشارہ کر کے ان کے سپرد کر دیا اور ان سے دستخط کروا کر رسید لے لی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ان سے درخواست کی کہ آپ بیگ کے پاس ہی ٹھہریں تاکہ میں کنٹرول ٹاور جاکر ایک ضروری کام کرآؤں ۔ وہ وہاں میری واپسی تک ٹھہرے رہے اور اپنے ایک ساتھی کے ساتھ جسے وہ لے کر آئے تھے میرا انتظار کرتے رہے۔ جب میں واپس آیا تو سابقہ کل ساتھ آنے والا جماعتی کارکن بھی ایئرپورٹ پہنچ چکا تھا۔ اب میں نے شیخ صاحب سے اجازت مانگی اس یقین کے ساتھ کہ وہ بیگ انہوں نے حفاظت سے اپنی کار میں رکھ لیا ہوگا۔ ان کے چلے جانے کے بعد میں نے قادیان واپس جانے کی تیاری کی اور جماعتی کارکن کو مع سامان کے پچھلی سیٹ پر بٹھا کر خود فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا اور حسب قاعدہ جہاز کے پیچھے دیکھنے والے آئینہ (Rear View Mirror) پر نظر ماری تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور والا بیگ جہاز سے چند قدم دُم کے پیچھے ٹارمیک (Tarmac) پر یعنی زمین پر پڑا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر میری تو جان نکل گئی اور اوپر سے مشکل یہ کہ شیخ صاحب بیس منٹ پہلے جاچکے تھے۔آجکل کا زمانہ بھی نہیں تھا کہ موبائل فون سے ان سے بات کرلیتا اور ویسے اگر دوڑ کر کنٹرول ٹاور جاتا فون کرتا تو کیسے۔ وہ تو ابھی راستے میں تھے اور ابھی تک گھر بھی نہیں پہنچے ہوں گے۔ اس پریشانی کی حالت میں ہوائی جہاز سے اترا ۔میرا اندازہ تھا کہ گھر پہنچ کر انہیں پتہ چلے گا کہ وہ بیگ ایئرپورٹ پر ہی بھول آئے ہیں اور پھر واپس آنے تک اتنی دیر ہوجائے گی کہ رات پڑ جائے گی اور قادیان میں رات کو لینڈنگ کرنے کی مددگار Flares روشنیاں بھی نہیں ہیں۔ ابھی اس سخت پریشانی کی حالت میں میں کھڑا فیروز پور روڈ کی جانب دیکھ رہا تھا کہ اچانک ایک کار نے فیروز پور روڈ سے والٹن ایئرپورٹ کے مین گیٹ کی طرف اس تیزی سے بائیں جانب ٹرن لیا جس سے کار کے ایک جانب کے دونوں پہیے زمین سے اٹھ گئے اور ساتھ ہی ایک تیز سیٹی نما دھماکہ کی آواز آئی۔ شکر ہے کہ الٹی نہیں بلکہ بے حد تیزی سے ہماری جانب آئی۔ اس وقت میں نے پہچانا کہ شیخ صاحب کی کار ہے۔ الحمدللہ میرے دل کی گہرائیوں سے نکلا۔ شیخ صاحب جلدی سے کار میں سے نکلے۔انہوں نے سخت ندامت کا اظہار کیا مگر وہ اس بات پر شکرگزار تھے کہ میں ابھی تک وہاں موجود تھا۔انہیں ڈر تھا کہ ہوائی جہاز واپس قادیان چلا گیا ہوگا اور بیگ پتہ نہیں کہیں غائب نہ ہوگیا ہو۔ یا گم نہ گیا ہو۔ جب قریب آئے تو انہیں ٹارمیک پر پڑا ہوا بیگ نظر آیا۔ اسے دیکھنے کے بعد ہی شیخ صاحب کے ہوش ٹھکانے آئے۔ انہوں نے بیگ اٹھایا اور مجھے دوبارہ الوداع کہہ کر اپنی کار میں بیٹھ کر چلے گئے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور ہم قادیان کے لئے روانہ ہوئے۔ قادیان پہنچ کر میں سیدھا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے پاس گیا اور انہیں سارا قصہ سنایا۔ انہوں نے ساری بات سن کر مجھے تاکیداً یہ ہدایت دی کہ تم نے ہرگز ہرگز حضور کو یہ بات نہیں بتانی کہ آپ کا بیگ شیخ صاحب ایئرپورٹ پر بھول گئے تھے۔ نہ آج اور نہ آئندہ کبھی۔ اس لئے حضور سے ملاقات کے دوران میں نے شیخ صاحب کی دستخط کردہ رسید تو حضور کو دے دی مگر اس واقعہ کا کوئی ذکر نہ کیا۔ نہ اس وقت اور نہ کبھی بعد میں۔

(الفضل 27/اگست 2010ء صفحہ 3تا4)

حضرت شیخ محمد سلطان صاحب کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ کے بڑے بھائی محترم شیخ محمد رمضان صاحب نے آپ کو قرض کی وصولی کے لئے بھجوایا۔ مختلف علاقوں اور لوگوں سے رقم وصول کرنے کے بعد تین سو روپے جمع ہوئے جو 100-100 کے تین نوٹوں کی صورت میں تھے۔ یہ رقم آپ نے تہبند میں اڑس لی اور واپسی کے سفر پر روانہ ہوئے۔ راستے میں تیز ہوا اور طوفانی بارش نے آلیا اور آپ

باقی صفحہ 4 پر

مکرم طارق حیات صاحب

ایک احمدی مثالی طالب علم کے اوصاف

احمدیہ لٹریچر سے علم دوستی اور علم پروری کے واقعات سے انتخاب

درسی کتب میں ایثار

ڈاکٹر مہدی علی قمر صاحب شہید کے بارہ میں ان کے کلاس فیلو مکرم مبارک صدیقی صاحب بتاتے ہیں:

''سکول کے زمانے میں بعض اوقات کورس کی ساری کتابیں میرے پاس نہیں ہوتی تھیں تو یہ مجھے کہتے کہ آدھا دن کتاب میں نے پڑھ لی ہے اب آدھا دن کتاب تم پڑھ لو، حتی کہ بعض اوقات عین اس وقت جب اگلے روز امتحان ہوتا تھا آپ جلدی جلدی کتاب پڑھ کر مجھے پکڑا جاتے کہ اب باقی دن تم پڑھ لو، اس کے باوجود بھی آپ زیادہ تر اول پوزیشن ہی حاصل کرتے تھے''۔

مثالیں

پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب اپنے بارہ میں لکھتے ہیں کہ

''گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم اے کرنے کے بعد 1946ء میں کیمبرج پہنچا۔ کیمبرج کے کلاس روم میں طالبعلم اس انداز میں بیٹھتے ہیں جس طرح نماز میں پہلے نمازی بیت میں آکر بیٹھتے ہیں۔ لیکچرار کے آنے سے پیشتر ایک سناٹا ہوتا ہے۔ لیکچر کے درمیان میں انگریز طالب علم چار چار قسم کی سیاہیوں والا قلم اور صحیح لکیریں ڈالنے کے لئے رولر استعمال کررہا ہوگا۔ اس کی نوٹس لینے والی کاپیاں ایسی احتیاط سے رکھی گئی ہوں گی جیسے پروفیشنل خوش نویس لکھ رہا ہو۔ میرے ساتھ والے طالب علم براہ راست سکولوں سے آئے تھے۔ عمر میں مجھ سے سب کم تھے لیکن ان کی خود اعتمادیوں اور امنگوں کا وہ عالم تھا جسے تحصیل کرنے کے لئے مجھے کم از کم دو سال درکار ہوئے۔ وہ ایسے ماحول سے آئے تھے جس میں ان کے سکولوں کا ہر استاد اچھے پڑھنے والے بچوں کو یہ سمجھا کر کیمبرج روانہ کرتا تھا کہ عزیز تم اس قوم کے فرزند ہو جس میں نیوٹن پیدا ہوا تھا۔ سائنس اور ریاضی کا علم تمہاری میراث ہے اگر تم چاہو تو تم بھی نیوٹن بن سکتے ہو۔

کیمبرج میں ڈسپلن کا انداز بھی میرے لئے نیا تھا کیمبرج میں بی اے کا امتحان آپ زندگی میں صرف ایک بار دے سکتے ہیں۔ آپ خدانخواستہ فیل ہوجائیں تو پھر دوسری بار امتحان دینا ممکن نہیں۔ ہاسٹل کے ڈسپلن کا یہ عالم تھا کہ دس بجے رات تک آپ بلا اجازت باہر رہ سکتے ہیں۔ دس سے بارہ بجے تک ایک پینی جرمانہ لیکن اگر آپ بارہ بجے کے بعد آئے تو سات دن کی Gati ng ہوگی اور اگر سال کے دوران تین بار ایسا ہوا تو آپ کو کیمبرج سے نکال دیا جائے گا۔

کیمبرج میں ہر طالب علم Adult تصور کیا جاتا ہے۔ اپنے سب کاموں کا ذمہ دار گنا جاتا ہے۔ اس سے بے جا تعرض نہیں ہوتا لیکن اس کی سزائیں بھی وحشیانہ تھیں۔ جنہیں وہ طالب علم مردانہ وار قبول کرتے تھے۔

کیمبرج میں یہ سختیاں 1968ء کے بعد سے ہٹ گئیں۔ کیمبرج کا طالب ہاتھ سے کام کرنے کا عادی ہوتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ پہلے دن جب میں St. John College پہنچا، میرا 30 سیر کا بکس ریلوے سٹیشن سے تو ٹیکسی پر چلا آیا لیکن جب کالج پہنچ کر میں نے پورٹر کو بلایا اور کہا کہ یہ میرا بکس ہے تو اس نے کہا کہ ٹھیک ہے یہ Wheel Borrow ہے آپ اسے اٹھائیے اور باقیوں کے ساتھ اپنے کمرے میں لے جائیے۔

(ماہنامہ خالد، ڈاکٹر عبدالسلام نمبر، صفحہ 57-56)

شوق

مکرم زبیر احمد صاحب نے اپنے تایا چوہدری منظور احمد صاحب کے بارہ میں تعزیتی مضمون میں لکھا کہ

''آپ میٹرک تک سکول جاتے رہے لیکن ساری عمر زمیندارہ کیا، اس کے باوجود اپنے تمام بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ہمارے سب سے بڑے تایا زاد کرنل مشہود احمد صاحب کو فزکس میں Ph.D کی اجازت ملی تو ہمیں یاد ہے کہ ہم والد صاحب کے ساتھ نماز پڑھنے گئے تو تایا جان بہت خوش تھے۔...... دو بیٹوں نے قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے M.Sc تک تعلیم حاصل کی''۔

(روزنامہ الفضل 25 جون 2014ء ص6)

گھریلو ملازم کو تلقین

مکرم احمد سعید اختر صاحب ابن محترم ماسٹر فضل الرحمٰن بسمل صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ بھیرہ کے متعلق ان کی اہلیہ نے لکھا:

''سب بچوں کو بہترین دینی اور دنیاوی تعلیم دلوائی اور خود بھی اپنے علم میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اپنے آخری دنوں میں بڑے بیٹے میجر احمد نعیم اختر کے گھریلو ملازم کو تلقین کرتے کہ ساتھ ساتھ پڑھائی بھی کرو۔ علم انسان کو دین و دنیا میں اچھا مقام دیتا ہے''۔

(روزنامہ الفضل۔ 6 مئی 2014ء، صفحہ:5)

ایام طالب علمی میں بیعت

حضرت حافظ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ:

''حضرت مسیح موعود کی خبر جب آپ کو ملی اس وقت آپ میڈیکل کالج لاہور کے طالب علم تھے۔ ایام طالب علمی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی بصیرت دی کہ آپ نے اپنے والد محترم سے ذکر کیا اور اجازت حاصل کرکے فوراً بیعت کرلی۔

اس بیعت کے بعد آپ کے گھر اور باہر دونوں اطراف سے سخت مخالفت ہوئی گھر میں بھائیوں نے بائیکاٹ کیا اور موچی دروازہ کی حویلیوں اور تاج پورہ اور شیخوپورہ روڈ پر آبائی زمین سے حصہ دینے سے انکار کردیا''۔

مٹی کا لیمپ

نوبیل انعام یافتہ محترم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی ہمشیرہ مکرمہ حمیدہ بشیر صاحبہ اپنے بھائی کے بارہ میں بیان کرتی ہیں:

''چونکہ ان دنوں جھنگ میں بجلی نہیں تھی اس لئے وہ مٹی کے تیل کے لیمپ میں پڑھتے تھے۔ لیمپ کی چمنی ہماری بڑی ہمشیرگان محترمہ باجی مسعودہ بیگم صاحبہ مرحومہ اور باجی حمیدہ بیگم صاحبہ روزانہ صاف کرتی تھیں۔ جب کہ مجھ سے بڑے بھائی محترم چوہدری محمد عبدالسمیع صاحب اور میں لیمپ میں تیل ڈالا کرتے تھے۔ بھائی جان رات کو جلد سو جانے کے عادی تھے۔ وہ زیادہ تر پڑھائی صبح کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اس وقت ہر طرف خاموشی ہوتی جس سے انہیں یک سوئی میسر آتی۔ باجی مسعودہ صاحبہ انہیں صبح 4 بجے جگا دیا کرتی تھیں بلکہ اکثر وہ سب سے پہلے جاگے ہوئے ہوتے تھے۔ گرمی کے موسم میں وہ پڑھائی بیٹھک میں کیا کرتے تھے کیونکہ اس کے دو طرف گلیاں ہونے کی وجہ سے ہوادار تھی۔ وہ اپنا کورس امتحان سے کم از کم دو ماہ قبل مکمل کرلیتے تھے اور امتحان سے پہلے اسے دو مرتبہ دوہرا لیا کرتے تھے۔

اپنے ایک انٹرویو میں ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ''میرا کالج جھنگ اور مگھیانہ کے درمیان تھا اس لئے اس جگہ کو ''آدھی وال'' کہتے ہیں۔ یہ جگہ جھنگ شہر سے قریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ گرمیوں کے موسم میں سخت گرمی سے بچنے کے لئے میں کالج میں بیٹھ کر کراپنا ''ہوم ورک'' ختم کرلیا کرتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جھنگ شہر میں میرے ہم جماعت بھی میرے پاس بیٹھ جاتے اور میرے کام کو نقل کرلیا کرتے تھے۔ جب سائے ڈھل جاتے تو ہم پیدل اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے''

(ماہنامہ خالد، ڈاکٹر عبدالسلام نمبر، صفحہ 57-56)

بچپن میں قرآن کریم سے محبت

حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرماتے ہیں:

''جب میں راولپنڈی میں تھا تو ہمارے مکان کے قریب ایک انگریز الیگزینڈر کی کوٹھی تھی۔ ایک شخص مجھ کو وہاں لے گیا اس نے میزان الحق اور طریق الحیٰوۃ دو کتابیں بڑی خوبصورت چھپی ہوئی مجھ کو دیں۔ میں نے ان کو خوب پڑھا۔ میں بچہ ہی تھا لیکن قرآن کریم سے اس زمانہ میں بھی مجھ کو محبت تھی۔ مجھ کو وہ دونوں کتابیں بہت لچر معلوم ہوئیں۔ اس وقت ان کے روح القدس کو بھی نہیں جانتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگنے والے مباحثات میں کبھی عاجز نہیں ہوتے''۔

طرح طرح کی مشکلات اور پڑھائی

حضرت حافظ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب 1920ء میں احمدی طلباء کے مسائل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں 18 نومبر 1920ء میں لاہور پہنچا تو ہمارے احمدی کالج کے طالب علموں کی عجب حالت تھی، بے چارے پریشان وسرگرداں پھر رہے تھے۔ 17 نومبر کو اسلامیہ کالج کے استادوں کی بے عزتی ہوچکی تھی اور جتنا احمدیوں سے ہوسکا تھا انہوں نے استادوں کا تعاون کیا تھا۔ مگر کہاں تک۔ شہر کے غنڈوں اور کالج کے باقی 400 لڑکوں کا مقابلہ تیس پینتیس طالب علم کرسکتے تھے؟ وہ ڈرتے تھے ان کو تسلی دی اور ان کو کالج میں بھجوادیا۔ مجھے گیارہ بارہ دن رہنے کا اور اتفاق ہوا۔ اور روزانہ ان کی حالت دیکھ کر مجھے بہت فکر رہتا تھا بلکہ ان کی تعلیم کے نقصان کا سخت رنج تھا''۔

مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب ایک ممتاز مصری عرب احمدی تھے۔ آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کو عہد خلافت رابعہ میں عربوں میں دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں اہم خدمات کی توفیق ملی۔ نیز متعدد کتب کے تالیف اور کئی اہم جماعتی کتب کے ترجمہ کی بھی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ ایم ٹی اے 3 العربیہ کے پروگرام ''الحوار المباشر'' کے نہایت اہم رکن تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خلافت سے عشق رکھنے والے منکسر المزاج احمدی اور نفیس انسان تھے۔ آپ کے زمانہ طالب علمی کے دو واقعات درج کرتا ہوں۔ وہ بتاتے ہیں کہ

ایک قصہ کا ذہن پر گہرا اثر

پرائمری سکول میں ہماری درسی کتب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی مذکور تھا جس میں یہ ذکر تھا کہ حضرت موسیٰؑ کے پاس ایک عصا تھا جس کو انہوں نے سمندر میں مارا تو سمندر پھٹ گیا اور فرعون کو اللہ تعالیٰ نے غرق کیا۔ یہ قصہ مجھے بہت پسند آیا۔ میں اکثر سوچتا تھا کہ اگر اللہ انسان کے ساتھ ہو تو انسان سب کچھ کرسکتا ہے اور بڑے سے بڑے دشمن پر غلبہ پاسکتا ہے۔ میرے دل میں بڑی

شدت کے ساتھ یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ میں بھی بڑا ہو کر خدا تعالیٰ کا بندہ بنوں شاید یوں وہ مجھے بھی ایک عصا دے دے اور میں اس کے ذریعہ عجیب عجیب کام کیا کروں۔

اس عمر میں مجھے یہ سبق بڑی اچھی طرح یاد ہو گیا کہ خدا تعالیٰ سے مانگیں تو ضرور مدد کرتا ہے۔ لہٰذا کئی دفعہ جب مجھے سبق یاد نہ ہوتا تھا تو میں خدا سے دعا کرتا تھا کہ اس دفعہ مجھے استاد کی سزا سے بچا لے اگلی دفعہ یاد کر کے آنے کی کوشش کروں گا اور اکثر یوں ہوتا کہ میری باری آنے تک کلاس کا وقت ختم ہو جاتا اور یوں میں اس کی سزا سے بچ جاتا۔

ایک حادثہ سے معجزانہ حفاظت

ایک دن میں سکول جانے کے لئے ٹرین کے انتظار میں تھا۔ اس دن بہت ہجوم تھا مجھے پائیدان پر ایک پاؤں رکھنے کی جگہ ملی۔ ایک ہاتھ سے میں نے ہینڈل کو پکڑا ہوا تھا جبکہ میرے دوسرے ہاتھ میں کتابیں تھیں۔ ٹرین چلی تو سٹیشن پر کھڑا ایک شخص مجھ سے ٹکرا گیا۔ میرا پاؤں پائیدان سے پھسل گیا اور میں ٹرین کے دو ڈبوں کے درمیان نیچے لٹکنے لگا۔ اس وقت میرے اندر سے مجھے یہ آواز آئی کہ ہینڈل کو ہرگز نہیں چھوڑنا چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ میری کتابیں گر گئیں اور بعض میرے سامنے ٹرین کے پہیوں کے نیچے کٹنے لگیں۔ کچھ دیر بعد ٹرین رک گئی، میں بعض افراد کی مدد سے باہر نکلا۔ لیکن یہ محض خدا کا فضل تھا کہ مجھے خراش تک نہیں آئی تھی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی دعا سے اعلیٰ کامیابیاں

حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کے بیٹے حضرت حافظ ڈاکٹر صالح محمد الہ دین صاحب کی روایت ہے کہ

’’1979ء میں محترم پروفیسر عبدالسلام صاحب کو نوبیل انعام ملا تھا اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے جلسہ سالانہ ربوہ 1979ء میں اپنی دلی تمنا کا اظہار فرمایا تھا کہ احباب جماعت علم میں کمال حاصل کریں اور حضور نے جماعت کو بھی اس کے لئے دعا کی تحریک فرمائی تھی۔ خاکسار کو اس جلسہ میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔

چنانچہ اس کے معاً بعد اللہ تعالیٰ نے خاکسار کے لئے غیر معمولی طور پر علم میں ترقی کے سامان پیدا فرمائے۔

Oxford University کے پروفیسر Dr. Dick Ter Haar کی دعوت پر خاکسار کو تین مہینے Department of Theoretical Physics University of Oxford میں بطور سینئر وزٹنگ فیلو (Senoir Visiting Fellow) کام کرنے کا موقع ملا۔

ایک مہینہ یونیورسٹی آف کیمبرج میں خاکسار کے لیکچرز آکسفورڈ، کیمبرج، مانچسٹر اور New Castle on Tyne میں ہوئے۔

حضور اقدس جب لندن تشریف لائے تو حضور اقدس سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ ایک دفعہ حضور نے خاکسار سے دریافت فرمایا کہ Galaxies کے بارے میں جو تحقیقات ہوئی ہیں۔ وہ بتائیں۔ خاکسار نے اس کا ذکر کیا جو حضور نے بڑی دلچسپی سے سنا۔ خاکسار نے عرض کی کہ میں آکسفورڈ میں ایک مضمون Gravitational Interactions between Galaxies پر لکھ رہا ہوں۔ حضور سے دعا کی درخواست ہے۔ حضور نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ فضل فرمائے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ مضمون انٹرنیشنل رسالہ ’’فزکس رپورٹ‘‘ (Physics Report) میں دسمبر 1982ء میں شائع ہوا اور بفضلہٖ تعالیٰ مقبول رہا اور اللہ تعالیٰ نے مزید ریسرچ کی بھی توفیق بخشی اور 1985ء میں خاکسار کو ہندوستان کا ایک نیشنل ایوارڈ Maghnad Saha Award of Theoretical Science دہلی میں دیا گیا‘‘۔

(روزنامہ الفضل۔ ربوہ۔ 25 جون 2014ء)

بیٹیوں کی تعلیم و تربیت

حضرت حافظ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کے متعلق آپ کی بیٹی محترمہ رضیہ بیگم صاحبہ لکھتی ہیں کہ

’’اپنی اولاد میں سے آپ کو لڑکیوں سے خاص محبت تھی اور ان کی دینی تعلیم کا بھی بہت خیال تھا۔ صبح کی نماز کے بعد آپ ہمیں قرآن کریم اور احادیث نبوی پڑھایا کرتے تھے۔ مجھے انگریزی بھی پڑھانی شروع کی تھی جب میں نے دو تین کتب پڑھ لیں تو آپ نے انگریزی ترجمہ سپارہ اول جو اسی سال شائع ہوا تھا پڑھانا شروع کر دیا‘‘۔

تحقیقی مضمون

حضرت مسیح موعود کے رفیق حضرت مولانا عبدالرحیم نیر صاحب نے فارسی اور سنسکرت کے باہمی ایک نسل کا ہونے پر انگلستان میں ایک تحقیقی مضمون لکھا جس پر 1921ء کے اوائل میں Societest Philology کی طرف سے آپ کو B. 'Phil کا ڈپلومہ دیا گیا۔

(نیر احمدیت۔ از نعمت اللہ شمس ص 5)

توحید کا عظیم سبق

سیدنا حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی حرم حضرت سیدہ امۃ السبوح بیگم صاحبہ تحریر فرماتی ہیں کہ

’’غانا میں جب بچے سکول میں داخل ہوئے تو یہ Protestant عیسائی فرقہ کا سکول تھا، جہاں عیسائیوں کی تعلیم دی جاتی تھی تو حضور نے بچوں سے کہا کہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کوئی بھی نظم پڑھائی جائے جس میں ان کا خدا کا بیٹا ہونا یا کسی بھی رنگ میں شرک کا کوئی پہلو ہو تو تم لوگوں نے ہرگز ایسی نظم نہیں پڑھنی۔ اسمبلی میں نظم Hymns پڑھی جاتی تھی۔ پہلے دن بچے ڈنڈے کھا کر گھر آئے کہ نظم نہ پڑھنے کی سزا ملی ہے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے بچوں کو تسلی دی اور سمجھایا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے ایسی نظم نہیں پڑھنی۔ تین دن یہ مار کھانے کا سلسلہ جاری رہا۔ چوتھے دن حضور ایدہ اللہ تعالیٰ خود سکول گئے اور ہیڈ ٹیچر سے کہا کہ ہم...... ہیں اور ایک خدا کی عبادت کرنے والے ہیں اور ہم حضرت عیسیٰؑ کو نبی تو مانتے ہیں مگر خدا کا بیٹا نہیں۔ اس لئے میرے بچے سکول میں یہ نظم نہیں پڑھیں گے۔ بچوں کے کورس میں بائبل بطور Subject مضمون کے تھی۔ ہیڈ ٹیچر نے کہا کہ یہ لازمی مضمون ہے۔ تمہارے بچے فیل ہو جائیں گے۔ اس پر حضور انور نے جواب دیا کہ میرے بچے جب یہ بھی ذکر آئے گا تو یوں لکھیں گے کہ عیسائی مذہب کا point of View (نکتہ نظر) یہ ہے۔ اس پر ہیڈ ٹیچر نے بچوں کو نظم نہ پڑھنے کی اجازت دے دی۔ حضور ایدہ اللہ نے بہت حکمت اور تدبر سے اس مسئلہ کو حل کیا اور یہ توحید کا پہلا سبق تھا جو حضور نے اپنے بچوں کو دیا۔

(ماہنامہ تشحیذ الاذہان، سیدنا مسرور نمبر، مطبوعہ: ستمبر، اکتوبر 2008ء صفحہ 17، 18)

نورالدین کی شاگردی

حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب ابن حضرت سید عبدالستار شاہ صاحب کی خودنوشت سوانح حیات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ 1913ء میں ہندوستان سے تعلیم کی غرض سے نکلے اور مصر و شام میں زیر تعلیم رہے۔ آپ بیت المقدس میں اپنے اعلیٰ تعلیمی امتحان میں اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوئے۔ یہاں آپ صلاح الدین ایوبیہ کالج میں وائس پرنسپل مقرر ہوئے، بعد ازاں سلطانیہ کالج میں پرنسپل مقرر ہوئے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آپ 1903ء میں تعلیم حاصل کرنے قادیان پہنچے، اس وقت تک آپ نارووال مشن سکول میں ابتدائی درجے پاس کر چکے تھے، آپ کو جماعت ششم میں داخلہ ملا۔ قادیان میں آپ کو 1903ء سے 1908ء تک حضرت مسیح موعود کے فیضان صحبت سے استفادہ کا موقع ملا۔ آپ کو ہیڈ ماسٹر صاحب کی اجازت سے حضرت مسیح موعود کے ساتھ نمازیں پڑھنے کا موقع ملا۔

گورنمنٹ کالج لاہور میں 1908ء میں میٹرک پاس کرنے کے بعد داخل ہوئے۔ آپ کے والد صاحب کا خیال تھا کہ آپ ڈاکٹری پاس کریں، اس لئے FSc میں میڈیکل کا کورس لیا۔ اُن دنوں میڈیکل کالج کا ایک سال کا کورس FSc کے ساتھ شامل کیا گیا تھا اور میڈیکل کالج کی ڈگری کی تعلیم بجائے پانچ سال کے چار سال کر دی گئی تھی۔

1910ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول نے آپ سے فرمایا۔

’’جتنی انگریزی کی ہمیں ضرورت ہے اُتنی آپ نے پڑھ لی ہے۔ اب نورالدین کی شاگردی اختیار کریں۔ جس راستے پر نورالدین چلائے گا اس میں آپ کے لئے کامیابی ہے‘‘۔

آپ لکھتے ہیں کہ کم و بیش یہی آپ کے الفاظ تھے جو محبت سے بھرے لہجے میں آپ کی زبان مبارک سے نکلے اور میرے دل میں گڑ گئے۔ قرآن مجید کا درس تو حضرت خلیفہ اول سے بار بار سننے کا موقع ملا۔ اس درس میں بھی حضور کی شفقت ہم طالب علموں پر خاص تھی۔ آپ نے حضرت حافظ روشن علی صاحب کو اور مجھے عربی، صرف و نحو، ایک عربی کتاب اصول شاشی اور حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب کو منطق پڑھانے کے لئے مقرر فرمایا۔ خود حضور نے موطا امام مالک پڑھانے کے بعد صحیح بخاری بھی درساً درساً پڑھائی۔ اس طرح فوزالکبیر از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی۔ طالب علمی کے زمانہ ہی میں حضرت مسیح موعود کی اکثر کتب پڑھنے کا مجھے موقع ملا۔ سلسلہ کی کتابیں بھی پڑھنے کا مجھے بہت شوق تھا......

حضرت خلیفۃ المسیح الاول سے میں نے دو تین سال پڑھا۔ اس دوران میں حضور کی عیادت کا بھی مجھے موقع ملا۔ جب حضور گھوڑے سے گر کر زخمی ہوئے ہیں انہی دنوں کی بات ہے۔ شیخ تیمور احمد جو آپ کے شاگرد تھے، سے آپ نے فرمایا کہ ولی اللہ شاہ کو وقف کی تحریک کی جائے اور ان سے میرے متعلق اچھی امید کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ شیخ تیمور احمد نے مجھ سے فرمایا کہ میں مخلص ہو کر دینی تعلیم حاصل کروں اور کالج کی تعلیم کا خیال چھوڑ دوں اور جب خلیفہ اول نے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد، حضرت حافظ روشن علی اور شیخ تیمور کو مفتاح العلوم کا سبق پڑھانے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے مجھ سے بھی فرمایا کہ میں بھی شریک ہو جاؤں۔ مجھے عربی کا بہت معمولی علم تھا بلکہ نہ ہونے کے برابر۔ میں حیران ہوا۔ بلکہ میرے ساتھی بھی حیران ہوئے لیکن حکم کی تعمیل میں دو تین سبقوں میں شریک ہوا۔ مجھے اپنی کمزوری کا نہایت درجہ احساس ہوا۔ حضرت حافظ صاحب سے سبق پڑھنے کے لئے جدوجہد کی۔ میرے دوست مرزا برکت علی صاحب بھی میرے ساتھ وہی سبق پڑھتے تھے جو میں پڑھتا تھا۔ بیت مبارک میں ہمیں حافظ صاحب پڑھا رہے تھے ایک دن مجھ سے کہنے لگے۔ ’’تہانوں نہیں عربی اونی‘‘ میں نے ہنستے ہوئے کہا کہ میرا بھی یہی خیال ہے۔ کون زیر زبر پیش کے ساتھ ساتھ ہر دفعہ اپنی آنکھیں اونچی نیچی کرے۔ اگر یہ زیر زبر پیش نہ ہو تو پڑھنا ناممکن ہے۔ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ پڑھائی جاری رکھوں یا نہ رکھوں۔ ایک جمعہ کے دن بیت مبارک کے اس حجرہ میں جہاں حضرت مسیح موعود کو سرخی والا نشان دکھایا گیا تھا بیٹھا پڑھ رہا تھا (اسی کمرہ میں میری رہائش تھی) حضرت خلیفۃ المسیح الثانی میرے پاس تشریف لائے اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔

دوران گفتگو میں مجھ سے فرمایا۔ کیا خیال ہے اگر آپ کو مصر بھیج دیا جائے تو آپ وہاں عربی پڑھیں۔ مدرسہ احمدیہ کے لئے بھی ہمیں ضرورت ہے۔ میں یہ بات مذاق سمجھا لیکن بار بار فرمایا۔

مذاق نہیں یہ اقرار کریں تو ابھی انتظام کیا جا سکتا ہے۔ آپ اٹھے نہیں جب تک کہ مجھ سے پختہ اقرار نہیں لے لیا اور چند دنوں میں میری اور شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کے سفر کی تیاری ہوگئی اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول نے دعا کے ساتھ ہمیں الوداع کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے خوش خوش باہر شہر سے جا کر ہمیں یکے پر بٹھا کر رخصت کیا۔ یہ واقعہ 1913ء کا ہے۔

آپ مزید بتاتے ہیں کہ قاہرہ میں قدیم طریقہ تعلیم سے میرا دل اچاٹ ہوگیا۔ ابھی چار ماہ گزرے تھے کہ اس تصرف سے بیروت دیکھنے کا مجھے موقع ملا اور میں نے شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب کو قاہرہ چھوڑ کر بیروت میں پڑھائی شروع کردی۔ اتنے میں جنگ عظیم اول شروع ہوگئی اور بیروت میں خطرہ تھا۔ میرے اساتذہ نے مشورہ دیا کہ میں حلب چلا جاؤں۔ چنانچہ میں حلب آیا اور یہاں اعلیٰ پایہ کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ اسی اثناء میں مجھے سات ماہ ایک ترکی رسالہ میں بھی خدمت کا موقع ملا اور میری خدمت کے صلہ میں سفارش کی گئی کہ ترکی کے امتحان کی شرط سے مجھے مستثنیٰ کیا جائے۔ چنانچہ بیت المقدس میں میں نے امتحان دیا اور اچھے نمبروں پر پاس ہوا۔

اور صلاح الدین ایوبیہ کالج بیت المقدس میں بطور استاد متعین ہوگیا اور یہاں عربی میں پڑھانے اور تعلیم جاری رکھنے کا سنہری موقع ملا۔ فن تعلیم و تدریس میں مقابلہ کے ایک امتحان کا اعلان ہوا جس میں کئی اساتذہ شریک ہوئے۔ میں اس امتحان میں اول رہا اور مجھے تمغہ اور پچاس اشرفیاں انعام ملیں اور شام کی یونیورسٹی سے جو سند بہ دستخط وزیر تعلیم اور کونسل جاری کی گئی وہ بھی تعلیمی لحاظ سے میرے لئے بہت خوش کن تھی۔ اس میں اس بات کا ذکر تھا کہ ایک قلیل عرصہ میں علوم آداب عربیہ کی ایسی قابلیت حاصل کر لینا ایک نادر بات ہے۔

فرماتے ہیں کہ یہ میری تعلیمی جدوجہد کی مختصر سرگزشت ہے۔ (مشار الیہ سند مع قیمتی لائبریری 1947ء میں بوقت تقسیم لوٹ میں ضائع ہوگئی) صلاح الدین ایوبیہ کالج میں مجھے تاریخ ادیان انگریزی اور اردو پڑھانے کا موقع ملا اور شام میں انگریزوں اور امیر فیصل کی افواج داخل ہونے کے بعد مجھے سلطانیہ کالج کا وائس کالج کا وائس پرنسپل منتخب کیا گیا اور یہاں علم النفس Psychology اور علم الاخلاق Ethi cs کے مضامین دیئے گئے۔

شاہ صاحب اپنے یادگار زمانہ طالب علمی کے اپنے قابل قدر اساتذہ کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ ”میں اس گھڑی کو ہر وقت یاد کرتا ہوں کہ جب میرے یہ استاد مجھے پڑھایا کرتے تھے۔ تاریک رات، موسلا دھار بارش، غضب کی ٹھنڈک اور سردی اور نیند کا شدید غلبہ، بعض اوقات رات کے بارہ بج جاتے مگر یہ اساتذہ مجھے پڑھانے کی انتہائی خواہش رکھتے تاکہ میں اپنی تعلیم کی جلدی سے تکمیل کر سکوں اور یہ کام محض بغیر اجر و خواہش کے کیا کرتے تھے کیونکہ ان کا یہ کہنا تھا کہ وہ مجھ میں خیر و برکت کو دیکھتے ہیں۔“

کجا یہ کہ آپ عربی چھوڑنے پر غور کر رہے تھے اور کجا یہ کہ اہل زبان بھی آپ کی قابلیت کو ایک نادر معاملہ شمار کرتے ہیں۔ یہ ہے خلافت احمدیہ کی مکمل اطاعت کا نتیجہ!!

☆..........☆..........☆

بقیہ از صفحہ 1۔ سبق آموز واقعات

بقیہ از صفحہ 1

بڑی مشکل سے شام کو گھر پہنچے۔ جب رقم کو ٹٹولا تو پیسے غائب تھے۔ آپ نے پریشانی کے عالم میں بار بار دیکھا مگر کچھ نہ ملا۔ بھائی سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا، تم نے قادیان مرزا کو بھجوا دیئے ہوں گے اور مجھ سے گم ہونے کا بہانہ کر رہے ہو۔ آپ نے بار بار حقیقت حال بیان کی مگر وہ اپنی بات پر مصر رہے۔ یہ صورتحال دیکھ کر آپ نے کہا کہ میں نے رقم مرزا صاحب کو نہیں بھجوائی اور میں حق پر ہوں اور اگر مرزا صاحب سچے ہیں تو وہ رقم ضرور ملے گی۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔ یہ کہہ کر لالٹین ہاتھ میں پکڑی اور اس طوفانی رات میں الٹے پاؤں لوٹ گئے اور عاجزانہ دعاؤں کے ساتھ رقم کی تلاش شروع کی۔ خدا نے اپنی رحمت سے آپ کی نیک نیتی اور سچی کوشش کو قبول کیا اور اس تاریک رات میں تینوں نوٹ ایک جھاڑی میں اٹکے ہوئے گیلی حالت میں آپ کو مل گئے۔ یہ دیکھ کر آپ کے بڑے بھائی نے اقرار کیا کہ آپ سچے ہو اور آپ کا امام بھی سچا ہے۔

محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد تحریر فرماتے ہیں:

سیدنا حضرت مصلح موعود نے 16 نومبر 1956ء کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے یہ دعا القاء فرمائی ہے کہ ہم قدم قدم پر خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اس کی رضا کی جستجو کرتے ہیں اور ساتھ ہی جناب الٰہی سے بتایا گیا کہ یہ دعا سورہ فاتحہ کا حصہ ہے۔ جو لوگ اپنی دعاؤں میں یہ فقرے پڑھیں گے ان کی دعائیں زیادہ قبول ہوں گی۔

(الفضل 23 نومبر 1956ء صفحہ 3)

اس خطبہ کے چند ہفتے بعد حضرت مصلح موعود کی اجازت سے تحریک کشمیر کے قدیم ریکارڈ کی عکسی کاپیاں بنوانے کے لئے لاہور آنا پڑا۔ میں سیدھا برصغیر کے نامور ادیب حضرت شیخ اسماعیل صاحب پانی پتی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے فوری توجہ فرمائی اور عجائب گھر کے مشفق انچارج صاحب کے ذریعہ راتوں رات دستاویزات کے روٹوگراف بنوا دیئے۔ میں حضرت شیخ صاحب کے مکان واقع رام گلی میں ٹھہرا ہوا تھا۔ ابھی رات کی سیاہی ہر طرف چھائی ہوئی تھی اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا کہ میں طلوع فجر سے بہت پہلے کراؤن بس کے اڈے تک پہنچ گیا۔ معلوم ہوا کہ ابھی پہلی سروس کے چلنے میں خاصی دیر ہے جس پر میں اپنے دو بیگ سنبھالے ہوئے ٹانگہ میں بیٹھ کر یونائیٹڈ بس کے اڈے پر پہنچا۔ میں نے اسے کرایہ دیا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہوگیا اور ساتھ ہی یہ معلوم ہونے پر میرے اوسان خطا ہوگئے اور زمین پاؤں سے نکل گئی کہ وہ بیگ جس میں اصل کاغذات اور اس کے فوٹو کاپی رکھے تھے ٹانگہ میں ہی رہ گئے ہیں جس پر میں نے واپس کراؤن کے اڈا کی طرف سرپٹ دوڑنا شروع کردیا۔ عین اس وقت جبکہ مجھ پر ایک قیامت ٹوٹ چکی تھی اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے میری توجہ کا رخ حضرت مصلح موعود کے بیان فرمودہ القائی نسخہ دعا کی طرف پھیر دیا۔ میں لاہور سڑکوں پر ایک اڈہ سے دوسرے اڈہ کی طرف بھاگتا چلا جا رہا تھا مگر ساتھ ہی دردبھرے دل سے دعائیہ کلمات بھی پڑھتا جاتا تھا۔ سراسیمگی کے اس عالم میں دن چڑھ گیا مجھے یکا یک غیبی تحریک سی ہوئی کہ موچی دروازہ میں ٹانگوں کا وسیع اڈہ ہے، مجھے فی الفور وہاں جانا چاہئے۔ میں تیزی سے وہاں پہنچا۔ واقعی اس جگہ ٹانگے بکثرت موجود تھے اور آنے جانے والوں کا تو تانتا بندھا ہوا تھا۔ میں نے ہر ایک کوچوان سے یہی پوچھنا شروع کیا کہ میرا بیگ آپ کے ٹانگہ میں رہ گیا ہے؟ سبھی نے نفی میں جواب دیا اور اگرچہ بعض نے اظہار ہمدردی بھی کیا لیکن اکثر نے کھلا مذاق اڑایا کہ ہم تو ابھی گھر سے آرہے ہیں، ہم نے تو کوئی سواری بٹھائی ہی نہیں۔ ایک کو یہ پھبتی بھی سوجھی کہ یہ عجیب شخص ہے جو ہر ٹانگے میں بیٹھنے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی ہی باتیں۔ میں اس پریشان خیالی میں خاصی دیر تک سرگرداں رہا کہ اچانک ایک ٹانگہ تیزی سے میرے سامنے آکھڑا ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس کا مالک میرا بیگ تھامے ہوئے نیچے اتر رہا ہے اور ساتھ ہی مجھے مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ میں صبح سے تمہاری تلاش میں ہوں۔ میں نے لاہور کا کونہ کونہ چھان مارا ہے۔ یہ لو اپنی امانت!! میں اس شخص کی دیانتداری پر حیران رہ گیا۔ حق یہ ہے کہ لاہور جیسے وسیع و عریض شہر میں کسی ٹانگہ بان سے گمشدہ متاع کا دوبارہ مل جانا یقیناً ایک معجزہ تھا جو حضور انور کی القائی دعا کی برکت سے رونما ہوا۔

مکرم شیخ محمد حسن صاحب کا ایک واقعہ آپ کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:

یہ ان دنوں کی بات ہے جب جامعہ احمدیہ احمد نگر میں تھا۔ مکرم حکیم خورشید احمد صاحب احمدیہ لائبریری میں کام کرتے تھے انہوں نے مجھے تقریباً بارہ کتابیں جلد بندی کے لئے دیں۔ مَیں اُن دنوں فیصل آباد (لائلپور) میں رہتا تھا۔ کتابیں تیار ہونے پر خاکسار بس پر سوار ہوا اور کتابیں کہیں راستہ میں گر گئیں تھیں۔ مجھے بہت فکر ہوئی کتابوں کے گم ہونے کا بہت سخت صدمہ ہوا۔ پھر ایک دم میں نے حوصلہ کیا اور کتابوں کو ڈھونڈنے کا پکا ارادہ کر لیا اور اس پکے ارادے کے ساتھ اللہ کا نام لے کر وہیں احمد نگر سے مولوی صاحب سے ان کی سائیکل لی اور پھر لائل پور والے روٹ پر چل نکلا۔ راستہ بھر ہر شخص کو پوچھتا جا رہا تھا لیکن کوئی امید نہیں نظر آرہی تھی۔ ہر انکار پر میری مایوسی بڑھتی جارہی تھی لیکن میں دعائیں کرتا ہوا آگے سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ رجوعہ کے قریب کچھ مزدور سڑک بنا رہے تھے۔ ان کے پاس رکا اور کتابوں کا پوچھا ان میں سے ایک نے بتایا کہ یہ ایک کتاب ہمیں یہاں سڑک سے ملی ہے اور ایک کتاب ہم نے اس گاؤں کے جوائی (داماد) کے پاس دیکھی ہے۔ یہ گاؤں وہاں سے ایک میل کے فاصلہ پر ہوگا اور میں اس شخص کا نام پوچھتا پچھاتا اس کے گھر تک پہنچ گیا۔ وہ شخص ابھی گھر نہیں پہنچا تھا لیکن اس کی بوڑھی ماں موجود تھی اس کو میں نے اپنی ساری بات بتائی۔ اس نے میری ساری بات سنی اور بڑی محبت سے بٹھایا اور گرم گرم دودھ پیش کیا جسے پی کر میری جان میں جان آئی کیونکہ میں صبح سے بھوکا پیاسا کتابوں کی پریشانی میں کھانا پینا سب بھول چکا تھا۔ پھر وہ شخص بھی آگیا اور آتے ہی پوچھا کہ کیا آپ کتاب لینے آئے ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں اور اس طرح الحمدللہ مجھے دو کتابیں مل چکی تھیں۔ اس شخص نے مجھے ایک اور راہ دکھائی اور کہا دوسرے گاؤں کے سکول ماسٹر کو مل لیں ہوسکتا ہے وہ آپ کی کوئی مدد کردے۔ کیونکہ سکول کی چھٹی کے وقت بچے اُس سڑک سے گزرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے ان بچوں میں سے کسی کو کوئی کتاب ملی ہو اس لئے آپ اس سکول کے ہیڈ ماسٹر کو ضرور مل لیں اور ساتھ اس نے ایک رقعہ بھی ہیڈ ماسٹر صاحب کے نام مجھے لکھ کر دے دیا۔ وہ خاتون جس نے مجھے گرم گرم دودھ پلایا تھا اُس کو کافی تیز بخار تھا۔ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ میں لائل پور جا کر تمہیں 693 کی گولیاں لا کر دوں گا۔ ان دنوں یہ دوائی بخار کو توڑنے کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ میں نے ہیڈ ماسٹر صاحب کو مل کر پھر اِدھر سے ہی گزرنا تھا اس لئے اپنی کتابیں ادھر ہی چھوڑ دیں اور رقعہ لے کر سکول والے گاؤں چلا گیا۔ ہیڈ ماسٹر جن کا نام علی احمد تھا بہت ہی شریف انسان تھے۔ انہوں نے فوراً ہی سکول کے بچوں سے رابطہ کیا اور اس طرح آہستہ آہستہ ساری کتابیں اسی گاؤں سے مل گئیں۔ میں نے ہیڈ ماسٹر صاحب سے اجازت چاہی کہ میں لائل پور سے اس بوڑھی عورت کے لئے دوائی لے آؤں۔ جب ماسٹر صاحب کو یہ علم ہوا کہ میں صرف دوائی لینے جا رہا ہوں تو انہوں نے دوائی بھی میرے ہاتھ پر رکھ دی اور کہا اب آپ رات کو یہاں آرام کریں صبح کو چلے جائیں۔ اتنی دوڑ دھوپ میں کافی تھک گئے ہوں گے۔ اس بیمار خاتون کو دوائی دی۔ جس پر وہ بہت خوش ہوئی۔ مکئی کی روٹی اور سرسوں کے ساگ کے ساتھ میری دعوت کی۔ وہاں سے میں ان دونوں ماں بیٹے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کتابیں لے کر اپنی اصل منزل کی طرف چل پڑا۔ دل میں مجھے یقین نہیں ہو رہا تھا کیسے اللہ تعالیٰ نے کرم کیا یہ ایک معجزہ سے کم نہیں تھا کہ اس طرح سے بکھری ہوئی کتابیں مل جائیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے احسان ہیں مجھ پر کہ اُس نے اس ناممکن کو ممکن میں بدل دیا۔ میں نے جامعہ احمدیہ کی یہ کتابیں واپس کر کے شکر ادا کئے کہ اس ذات پاک نے میری لاج رکھی اور ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔